اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ (البینہ:5)

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

دین کے تین درجے:

دین کے تین درجے ہیں جن کو طے کر کے انسان اللہ تعالیٰ کا مقرب بندہ بنتا ہے

(۱)..... پہلا درجہ علم کا حاصل کرنا ہے۔ علم ایک نور ہے جس سے انسان اپنی زندگی گزارنے کی رہنمائی حاصل کرتا ہے۔ اگر علم ہی نہ ہو تو انسان عمل کیسے کر سکتا ہے۔ لہٰذا یہ ایک بنیاد ہے۔ اسی لیے نبی علیہ السّلام نے فرمایا، طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَ مُسْلِمَۃٍ علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔

اس ایک کا یہ مطلب ہے کہ ضروریاتِ دین کا علم حاصل کرنا تو ہر ایک پر لازم ہے البتہ اس کی تفصیلات کا حاصل کرنا فرض کفایہ ہے۔ کچھ ایسے لوگ بھی ہوں گے جو علم کی تفصیلات کو بھی جانیں گے۔ ایک ایسی جماعت ہر زمانے میں ہونی چاہیے۔ رہ گئی میرے اور آپ جیسے عوام الناس کی بات تو ہمیں ضروریاتِ دین کا پتہ ہونا ضروری ہے۔ یاد رکھیں کہ.....

.....فرض کا علم حاصل کرنا فرض ہے،

.....واجبات کا علم حاصل کرنا واجب ہے اور

.....سنن کا علم حاصل کرنا سنت ہے۔

(۲).....دوسرا درجہ علم پر عمل کرنے کا ہے کیونکہ فقط علم حاصل کرنے سے کام نہیں بنتا۔ اگر نمٹ علم پر

مغفرت ہوتی تو شیطان کی مغفرت ہو چکی ہوتی۔اس کے پاس علم تو بہت تھا لیکن عمل میں کوتاہی کر گیا۔ جو انسان اپنے علم پر عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے علمِ لدنی عطا فرما دیتا ہے۔

مَنْ عَمِلَ بِمَا عَلِمَ وَرَّثَهُ اللّٰهُ عِلْمَ مَالَمْ يَعْلَمْ جو اپنے علم پر عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے وہ علم عطا کرتا ہے جو وہ نہیں جانتا۔

عام طور پر شیطان طلباء کے دل میں یہ بات ڈالتا ہے کہ تم ابھی علم حاصل کر لو پھر بعد میں اکٹھا عمل کر لینا۔جس نے یہ بات سوچنا شروع کر دی وہ شیطان کے دھوکے میں آ گیا۔اس کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ادھر پڑھو اور ادھر عمل کرو، یہی صحابہ کرامؓ کا خلق تھا۔سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دو سال میں سورۃ بقرہ پڑھی لیکن جب سورۃ بقرہ مکمّل ہوئی تو میرا عمل بھی سورۃ بقرہ کے مطابق ہو چکا تھا۔

(۳).....تیسرا درجہ اخلاص کا ہے۔یعنی جو عمل بھی کریں اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا ہو۔یہ سب سے مشکل مرحلہ ہے۔اس لئے دل چاہتا ہے کہ اس محفل میں اخلاص کے بارے میں بات کی جائے۔جو انسان اس درجہ کیلئے پر قدم اٹھائے گا اور اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرے گا تب پتہ چلے گا کہ یہ کتنا مشکل کام ہے۔اعمال کر لینا آسان ہے لیکن اس معیار کے اعمال کرنا جو اللہ تعالیٰ کو پسند آ جائیں، یہ انتہائی مشکل کام ہے۔اسی لئے اللہ والے کرتے بھی ہیں اور ڈرتے بھی ہیں۔وہ ساری عمر رات کو تہجّد کی پابندی کے ساتھ گزارنے کے باوجود کہتے ہیں،

مَاعَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ وَمَاعَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ

وہ ساری رات تہجّد کی نماز پڑھنے میں گزار دیتے تھے اور پھر صبح کے وقت اس پر اتنے نادم ہوتے تھے اور اتنا استغفار کرتے تھے کہ جیسے وہ ساری رات کسی کبیرہ گناہ کے مرتکب ہو رہے ہوتے تھے۔

كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ○ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ○ (الذریت:18-17)

رات کو کم سویا کرتے تھے اور سحری کے وقت مغفرت مانگا کرتے تھے۔

وہ شب بھر اللہ رب العزت کے حضور اپنی جبینِ نیاز جھکائے رکھتے تھے اور صبح کے وقت حسرت کرتے تھے کہ ہم ایسے عمل نہ کر سکے جیسے ہمیں کرنے چاہییں تھے۔ بلکہ کتابوں میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ وہ صبح کے وقت اٹھ کر اپنے چہرے پر اس خوف سے ہاتھ لگا کر دیکھتے تھے کہ کہیں ہماری شکلیں تو مسخ نہیں ہو گئیں۔ آج ہم اپنے گناہوں پر اتنا خوفزدہ نہیں ہوتے جتنا ہمارے اکابر اپنی نیکیوں کے رد ہو جانے پر اللہ سے خوفزدہ ہوا کرتے تھے۔

اعمال کی قبولیت میں نیت کا دخل:

اعمال کی قبولیت میں انسان کی نیت کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ اسی لئے نبی علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا،

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہوتا ہے۔

نیت کے بدلنے سے انسان کے عمل کی حقیقت بدل جاتی ہے۔ اس لئے ہمیں اپنی نیتوں کو دیکھتے رہنا چاہیے، سوچتے رہنا چاہیے اور ان کو ٹھیک کرتے رہنا چاہیے کیونکہ نیت کے ٹھیک ہونے سے چھوٹے چھوٹے اعمال پر بہت بڑا اجر مل جاتا ہے اور نیت میں فرق آجانے سے پہاڑوں جیسے اعمال پر انسان کو کچھ اجر نہیں ملتا۔ اس لئے نیت کا ٹھیک کرنا انتہائی ضروری ہے۔ اس کی مثالیں سن لیجئے۔

(۱).....شیخ الحدیث حضرت زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک بزرگ دریائے جمنا کے کنارے رہتے تھے۔ ان کے پاس ایک آدمی آیا اور کہنے لگا، جی دریا کے دوسرے کنارے میرا ایک کام ہے لیکن دریا کے اندر طوفان بہت ہے، جس کی وجہ سے کشتی کے ذریعے جانا مشکل ہے، اب میں کیا

کروں؟ انہوں نے فرمایا، جاؤ اور دریا کے کنارے کھڑے ہو کر کہہ دو کہ تجھے اس شخص کی طرف سے پیغام ہے جس نے کبھی اپنی بیوی کے ساتھ ہمبستری نہیں کی اور نہ کبھی کھانا کھایا ہے، کہ تم مجھے راستہ دے دو۔ اب وہ بندہ تو یہ سن کر چلا گیا اور جا کر دریا کو وہی پیغام دیا..... دریا کی طغیانی کم ہوگئی اور اس شخص نے آرام سے دریا پار کرلیا۔

ادھر بیوی صاحبہ نے بھی شوہر کی یہ بات سن لی تھی اور ماشاء اللہ سات بچے بھی تھے۔ وہ بڑی تلملائی کہ یہ عجیب ہے مجھے رسوا کر رہا ہے۔ وہ بزرگ جب اپنے گھر میں آئے تو وہ آگے غصے سے بھری بیٹھی تھی۔ کہنے لگی کہ یہ جو تو کھا کھا کر موٹا ہو رہا ہے اس کو تو تو جان اور تیرا خدا لیکن یہ بتا کہ تو نے جو میرے ساتھ کبھی ملاقات نہیں کی تو یہ سات بچے کہاں سے ہو گئے۔ اس پر انہوں نے اس کو وضاحت کے ساتھ بات سمجھائی کہ دیکھ میں نے جب بھی کھانا کھایا ہمیشہ اس نیت سے کھایا کہ اللہ رب العزت کے محبوب A نے فرمادیا کہ تیری جان کا تجھ پر حق ہے، اس لئے اپنی جان کا حق ادا کرنے کے لئے کھانا کھایا نفس کی لذت کی وجہ سے کبھی نہیں کھایا۔ اسی طرح اگرچہ میں سات بچوں کا باپ ہوں مگر بیوی سے ملاقات کرتے ہوئے میرے دل میں ہمیشہ یہ نیت ہوتی تھی کہ شریعت نے مجھ پر بیوی کے حقوق عائد کئے ہیں لہٰذا میں اپنی بیوی کا حق ادا کر رہا ہوں، میرا مقصد فقط نفس کی لذت اور اپنی خواہشات کو پورا کرنا نہیں ہوتا تھا، اگرچہ میں نے اتنی بار اس کا حق ادا کیا مگر یہ ایسے ہی تھا جیسے میں نے اپنے لئے کیا ہی نہیں۔

(۲).....ہم نے بڑے بڑے علماء کو دیکھا کہ جب ان کی صحبت میں گھنٹہ دو گھنٹہ بیٹھیں تو وہ خاموش ہی رہتے ہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حالاتِ زندگی میں لکھا ہے کہ آپ طبعاً کم گو تھے لیکن جب کوئی آدمی دین کی بات چھیڑ دیتا تھا تو پھر دلائل کے انبار لگا دیتے تھے۔ پھر آپ کو چپ کرانا مشکل ہوتا تھا۔

(۳).....یہی چیز ہمارے حضرت سید زوار حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ میں تھی۔ وہ بہت بڑے عالم اور فقیہہ تھے۔ان کی کتاب ''عمدۃ الفقہ'' آج بڑے بڑے مفتی حضرات کی میز پر سجی ہوئی ہوتی ہے۔ان کی ایک عجیب عادت تھی کہ اگر ان کے پاس جا کر کوئی آدمی بیٹھ جاتا اور وہ خاموش رہتا تو حضرت بھی خاموش رہتے۔حتیٰ کہ ایک یا دو گھنٹے بھی گزر جاتے تھے۔ یہ بڑی حیران کن بات ہے کہ اتنے علم کے بعد بھی انسان میں اتنی خاموشی ہو۔البتہ جہاں کوئی سوال پوچھ لیتا تو ایسا تفصیلی جواب دیتے کہ محسوس ہوتا تھا کہ شاید پورے اسباق کا مطالعہ ابھی کر کے آئے ہیں۔

ایک مرتبہ طلباء کی ایک جماعت ان کی خدمت میں حاضر ہوئی اور انہوں نے اذانِ جوق کا مسئلہ پوچھ لیا ..... پہلے زمانے میں سپیکر نہیں ہوتے تھے، مسجدیں بڑی ہوتی تھیں اور لوگ بھی زیادہ ہوتے تھے جس کی وجہ سے کافی لوگ مل کر اذان دیتے تھے۔اسے اذانِ جوق کہا جاتا تھا۔اب یہ مسئلہ عام طور پر پیش نہیں آتا.....حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کی تفصیلات اور جزئیات بتانا شروع کیں۔ہم نے دیکھا کہ انہوں نے پورا ڈیڑھ گھنٹہ اس ایک مسئلے کی تفصیلات بتانے میں لگا دیا۔

اک ذرا چھیڑیئے پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے

ہم نے یہ خلق ان کی صحبت میں پایا کہ اللہ والوں کی بات کلام نہیں ہوتا بلکہ جواب ہوتا ہے۔وہ از خود بات نہیں کرتے، حتی الوسع چپ رہتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اگر از خود بات کریں گے تو پوچھا جائے کہ کیوں بولے تھے۔اور جب کوئی بندہ کوئی بات پوچھ لیتا ہے تو پھر وہ اس کا جواب دینے پر مامور ہوتے ہیں۔شریعت حکم دیتی ہے کہ تم اس کا جواب دو۔لہٰذا اگر اب جواب دیں گے تو پھر اس پر مؤاخذہ نہیں ہوگا بلکہ اجر ملے گا۔

ہمارا یہ حال ہوتا ہے کہ دو لفظ پڑھے نہیں ہوتے اور ٹرٹر کرتے ہماری زبان نہیں تھکتی ہے۔یہ سب اس

لئے ہے کہ ہمیں ابھی اپنے نامۂ اعمال کی فکر نہیں لگی ہوتی کہ کل اس کا جواب کیسے دینا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بات تو دو بندے کر رہے ہوتے ہیں اور تیسرا سننے والا ان کو فتوے دے رہا ہوتا ہے۔ بھئی آپ مفتی کب سے بنے؟ جب آپ سے بات پوچھی نہیں گئی تو پھر درمیان میں ٹانگ اڑانے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ اس بات کی پہچان ہے کہ ابھی اس کو اپنے نامۂ اعمال کی فکر نہیں لگی۔ اگر فکر لگتی تو درمیان میں اس کا جواب دینا مشکل معلوم ہوتا۔

(۴).....حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی آدمی بیعت ہونے کے لئے میرے پاس آتا ہے تو مجھے اس سے یوں ڈر لگتا ہے جیسے کسی بندے کو شیر سے ڈر لگتا ہے۔ کسی نے پوچھا، کیوں؟ فرمایا، اس لئے کہ یہ داخلِ سلسلہ ہوا تو آج کے بعد اس کے اعمال کے بارے میں بھی مجھ سے پوچھا جائے گا۔ لیکن وہ بیعت سب کو کر لیا کرتے تھے۔ کسی نے پوچھا، حضرت! پہلے والے بزرگ تو بڑے استخاروں کے بعد، بڑی سوچ بچار کے بعد اور مہینوں کے انتظار کے بعد بیعت کرتے تھے اور آپ کے پاس جو آتا ہے اور جیسے آتا ہے، اسے بیعت کر لیتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت نے بڑا عجیب جواب دیا۔ فرمانے لگے کہ بھئی! جو آکر بیعت کی تمنا ظاہر کرتا ہے میں اسے مؤمن بھائی سمجھ کر اس کی بات کو پورا کر دیتا ہوں اور اس وقت میری یہ سوچ ہوتی ہے کہ اگر کل قیامت کے دن میں اللہ رب العزت کے حضور پکڑا گیا تو ان میں سے کوئی تو ایسا ہوگا جو میری بھی شفاعت کر دے گا۔

ان مثالوں سے پتہ چلا کہ اخلاص کے ساتھ اعمال کا کرنا انتہائی ضروری ہے اور اس کے بغیر گزارہ نہیں ہے۔

ریاء سے بچنا امّ الوظائف ہے:

اگر انسان اہل اللہ کے پاس وقت نہ گزارے تو پھر اس کے اندر ریا کاری اور دکھاوا ہوتا ہے..... دکھاوا

کسے کہتے ہیں؟.....دکھاوا یہ ہے کہ بندہ عمل تو کرتا ہے لیکن وہ چاہتا ہے کہ لوگ مجھے اچھا کہیں۔ وہ حیلے بہانے سے لوگوں کو بتاتا ہے کہ میں نے یہ کام کیا۔ اور جب لوگ کہتے ہیں کہ آپ کی تقریر تو بہت اچھی تھی اور آپ کے تو شاگرد بہت زیادہ ہیں تو اس کو بڑی خوشی ہوتی ہے۔ بعض اوقات انسان بات کرتے ہوئے یہ کہتا ہے کہ جب میں پانچویں دفعہ حج پر گیا تو اس وقت یہ واقعہ پیش آیا۔ اب اگر کوئی پوچھے کہ آپ نے واقعہ ہی سنانا تھا تو یہ پانچ کا لفظ بولنا کیا ضروری تھا۔ مگر نفس کہتا ہے کہ میں بتاؤں گا کہ پانچ حج کیے ہیں تو لوگ سمجھیں گے کہ یہ بھی کچھ ہے۔ گویا مخلوق سے تعریف کی توقع رکھنا اور ان سے تعریفوں پر خوش ہونا ہی ریاکاری ہے اور اس سے جان چھڑانا بڑا مشکل ہے۔

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ بعض اوقات ایک آدمی غلافِ کعبہ کو پکڑ کر دعا مانگ رہا ہوتا ہے اور اہلِ خراسان کو اپنا عمل دکھا رہا ہوتا ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ یہ غلاف کعبہ کو پکڑ کے دعا مانگ رہا ہوتا ہے اور اہلِ خراسان کو اپنا عمل کیسے دکھاتا ہے۔ وہ فرمانے لگے کہ دعا مانگتے ہوئے اس کے دل میں یہ خیال ہوتا ہے کہ کاش، میرے وطن کے لوگ مجھے دیکھتے کہ میں کس طرح کعبہ سے لپٹ کر دعائیں مانگ رہا ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے یہ کام اللہ کے لئے نہیں کیا بلکہ اس نے اپنے ہم وطنوں کو دکھانے کے لئے یہ کام کیا ہے۔ لہٰذا اعمال ریا سے خالی ہوں، یہی ام الوظائف ہے۔

ایک بزرگ فرماتے تھے کہ جب کوئی بندہ اعمال میں ریا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ فلاں بندے کی طرف دیکھو کہ وہ ہمارے ساتھ ٹھٹھا اور مذاق کر رہا ہے۔ ہمارے اسلاف کی تو یہ حالت ہوتی تھی کہ وہ روزے پہ روزہ رکھتے تھے اور جب باہر نکلنے لگتے تھے تو اپنا ہاتھ منہ دھو کر ہونٹوں پر گھی لگا لیتے تھے تاکہ دیکھنے والے ہونٹوں کی خشکی سے بھی نہ پہچانیں کہ اس نے روزہ رکھا ہوا ہے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب کسی کو دیکھتے کہ ظاہر میں گردن جھکا کے اور بنا سنوار کے باتیں کر رہا ہے تو اس کو درہ

لگاتے اور فرماتے کہ یہ کیفیت ظاہر کرنے کی جگہ تنہائی ہوتی ہے..... جو لوگ ریا سے اپنی جان چھڑا لیتے ہیں اور اپنے اندر اخلاص پیدا کر لیتے ہیں ان کی طبیعتوں میں عاجزی آجاتی ہے اور وہ اپنے اعمال پر نگران ہوتے ہیں۔ یہی مخلص بندے کی پہچان ہوتی ہے۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا اخلاص:

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جنگ یرموک کے موقع پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو خط بھیجا کہ آج سے ،آپ جو امیر لشکر تھے اس پوسٹ (عہدہ) سے اتر گئے اور جو خط لے کر آرہے ہیں یہ اس پوسٹ پر آگئے ،اگر آپ میرے پاس واپس آنا چاہتے ہیں تو مدینہ آجائیں اور اگر عام فوجی کی طرح لڑنا چاہیں تو آپ کو لڑنے کی اجازت ہے۔ تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ واپس نہ آئے بلکہ ایک عام فوجی بن کر لڑنا قبول کیا۔ بعد میں کسی نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے پوچھا، حضرت! پہلے تو آپ فوج کے کمانڈر انچیف تھے اور ایک خط کے ذریعے آپ کو ایک عام فوجی بن کر لڑنا پڑا، آپ کے لئے تو یہ بڑا مشکل ہوگا۔ انہوں نے فرمایا کہ میرے لئے کوئی مشکل نہیں تھا کیونکہ جب میں فوج کا امیر تھا تو اس وقت بھی میں اسی مالک کو راضی کرنا چاہتا تھا اور جب میں ایک سپاہی بن کر لڑا تب بھی میں اسی مالک کو راضی کر رہا تھا۔

مولانا حسین احمد مدنیؒ کا اخلاص:

حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ ایک واقعہ سنایا کرتے تھے کہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ حج کے سفر سے واپسی پر ٹرین میں سفر کر رہے تھے۔ ان کے قریب ایک ہندو جنٹلمین بھی بیٹھا ہوا تھا۔ دورانِ سفر اس کو بیت الخلاء جانے کی ضرورت پیش آئی۔ اس نے جا کر دیکھا تو بیت الخلاء بہت گندہ تھا۔ چنانچہ وہ جلد ہی واپس آگیا۔ کسی نے پوچھا کہ آپ گئے تھے اور جلدی ہی واپس آگئے۔ اس نے کہا، لوگ گند مچا دیتے ہیں، بیت الخلاء میں صفائی ہی نہیں کرتے، مجھے ضرورت تو تھی لیکن بیت الخلاء اتنا گندہ تھا کہ میں اس کو

استعمال ہی نہیں کر سکا۔

یہ بات کر کے وہ ہندو بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد شیخ الحدیث شیخ طریقت حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ اٹھے اور ٹرین کے بیت الخلاء میں تشریف لے گئے اور سارے بیت الخلاء کو صاف کر دیا۔ جب صاف کرنے کے بعد واپس آ کر بیٹھے تو کہنے لگے کہ میں بیت الخلاء استعمال کرنے کے لئے گیا تو ابھی تو بڑا صاف تھا۔ یہ اس لئے کہا کہ وہ استعمال کر لے۔ اب جب ہندو دوبارہ گیا تو اس نے اس کو صاف پایا۔ اس نے اسے استعمال کیا اور واپس آ کر کہنے لگا، جی واقعی کسی نے صاف کر دیا تھا۔

لوگوں کو تجسّس ہوا کہ آخر اس کو کس نے صاف کیا۔ وہاں ایک عالم اور بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کا نام خواجہ نظام الدین تھا۔ انہوں نے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں غائبانہ طور پر کچھ باتیں سنی ہوئی تھیں اور وہ ان کی مخالفت کیا کرتے تھے۔ انہوں نے جب کھود کرید کی تو پتہ چلا کہ حضرت مدنیؒ نے بیت الخلاء صاف کیا ہے۔ یہ دیکھ کر اس کھدر پوش فقیر کے سامنے خواجہ نظام الدین نے اپنے ہاتھ جوڑ دیئے اور کہنے لگے، جی آپ مجھے معاف کر دیں، میں نے عمر بھر آپ کی غیبت کی، مجھے آپ کی عظمتوں کا پتہ نہیں تھا، آج پتہ چلا کہ آپ کتنے عظیم انسان ہیں کہ ایک ہندو کی خاطر آپ نے ایسا کام کیا ہے۔ حضرت مدنیؒ نے فرمایا کہ میں نے تو اپنے محبوب ﷺ کی سنت پر عمل کیا ہے۔ لوگ حیران ہو کر پوچھنے لگے، وہ کیسے؟ تو فرمایا کہ ایک مرتبہ نبی علیہ السّلام کی خدمت میں ایک یہودی آیا۔ اس کو بھوک لگی ہوئی تھی۔ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اس کو کھانا دیا تو اس نے کھانا زیادہ کھا لیا۔ رات کو نبی علیہ السّلام نے اس کو سونے کے لئے بستر دیا۔ پیٹ نرم ہونے کی وجہ سے قدرتاً اس کی ایسی کیفیت ہوئی کہ اسی بستر میں اس کا پاخانہ خارج ہو گیا۔ وہ صبح اسی حالت میں اٹھ کر وہاں سے چل دیا۔ جب وہ کچھ دور پہنچا تو اسے یاد آیا کہ وہ جلدی میں اپنا کچھ سامان وہاں بھول گیا ہے۔ چنانچہ جب وہ سامان لینے کے لئے واپس آیا تو

دیکھا کہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اپنے ہاتھوں سے اس بستر کو دھو رہے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر اس کی آنکھوں میں سے آنسو نکل آئے اور اس نے کہا، آپ کو اللہ نے وہ خلق عطا کیے جو خلق دنیا میں کہیں کسی کے پاس نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا آپ مجھے کلمہ پڑھا کر مسلمان بنا دیجئے۔ تو حضرت مدنیؐ نے فرمایا کہ میرے آقا ﷺ نے مہمان کی خاطر یہ عمل کیا تھا اور میں نے بھی اپنے آقا ﷺ کی سنت پر عمل کیا ہے۔ تو یہ مخلص لوگ تھے۔

حضرت عبدالمالک صدیقیؒ کا اخلاص:

جب ریاء دل سے نکلتی ہے تو پھر ''میں'' کی دھجیاں اڑ جاتی ہیں اور انسان کے اندر عاجزی بھر جایا کرتی ہے۔ پھر وہ لوگوں کی کڑوی کسیلی باتیں بھی صبر کے ساتھ سن لیتا ہے..... حضرت خواجہ عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ پر اللہ تعالیٰ نے دین کے خزانے تو کھولے ہی تھے آخری عمر میں ان پر دنیا کے دروازے بھی کھول دیئے تھے۔ چنانچہ ان کو خوب فتوحات حاصل تھیں۔ اس کی وجہ سے ان کے بعض ہم عصر علماء کبھی کبھی ادھر ادھر کی باتیں کر دیتے تھے۔ وہ کہتے تھے، جی اتنی بڑی مسجد بنا دی، یہ پیسہ آ گیا وہ پیسہ آ گیا..... اللہ کی شان دیکھو کہ مسجد کوئی بناتا ہے اور مروڑ کسی اور کے دل میں اٹھتا ہے..... حضرت صدیقی رحمۃ اللہ علیہ خاموش ہی رہتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک شہر سے حضرت کے مریدان سے ملنے کے لئے آئے۔ اس شہر کے ایک بڑے عالم تھے، وہ ان سے ملے اور پوچھا، کہاں جا رہے ہو؟ اس نے کہا، جی میں حضرت صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کو ملنے جا رہا ہوں۔ انہوں نے کہا، اچھا ان کو میرا پیغام دے دینا کہ دنیا اور آخرت دو سوکنیں ہیں، جب ایک سے نکاح کرتا ہے تو دوسری روٹھ جایا کرتی ہے..... اصل میں انہوں نے چوٹ کی تھی کہ اب آپ پر فتوحات کے دروازے کھل گئے ہیں لہٰذا اب آپ اپنے دین کی خیر منائیں۔

جب وہ صاحب حضرت صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں آئے اور ان سے ملے تو حضرت نے اس کے حال احوال پوچھے اور قدرتاً یہ بھی پوچھ لیا کہ آپ کے شہر کے وہ بڑے عالم کس حال میں ہیں۔ اس نے کہا، جی ٹھیک ہیں۔ پھر پوچھا کہ ان سے آپ کی ملاقات کب ہوئی تھی؟ انہوں نے کہا، جی آتے ہوئے ملاقات ہوئی تھی۔ حضرت نے پوچھا، بھئی انہوں نے کوئی بات کہی تھی؟ ..... جی ہاں، یہ اللہ والے جو اسیس القلوب (دلوں کے جاسوس) ہوتے ہیں ..... جب یہ پوچھا تو وہ صاحب خاموش ہو گئے۔ اب حضرت صدیقیؒ کو اندازہ ہو گیا کہ کوئی بات ہے۔ چنانچہ حضرتؒ نے فرمایا، جو بات انہوں نے تمہیں کی تھی من وعن وہی بات تم مجھے کہو۔ اب وہ پھنس گیا۔ بہرحال اس نے بادلِ نخواستہ بتایا کہ حضرت! جب میں ان سے ملا اور بتایا کہ آپ کو ملنے جا رہا ہوں تو بڑے مسکرائے اور کہنے لگے کہ میرا پیغام دے دینا کہ دنیا اور آخرت دو سوکنیں ہیں، جب بندہ ایک سے نکاح کرتا ہے تو دوسری روٹھ جایا کرتی ہے۔ یہ بات سن کر حضرت صدیقیؒ نے سر جھکا لیا اور آپ کی آنکھوں سے آنسو گرنا شروع ہو گئے۔ اتنے آنسو گرے کہ آپ کا دامن آنسوؤں سے تر ہو گیا۔

اب وہ آدمی پریشان ہوا کہ میں نے کون سی بات کر دی کہ حضرت اتنے غمزدہ ہوئے۔ جب حضرت کافی دیر روتے رہے تو پھر اس نے پوچھا، حضرت! اگر مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہو تو آپ مجھے معاف فرما دیں۔ آپ نے فرمایا، نہیں نہیں، آپ سے کوئی غلطی نہیں ہوئی۔ اس نے کہا، حضرت! پھر آپ اتنا کیوں روئے؟ انہوں نے فرمایا کہ میں شکر کی وجہ سے رو رہا ہوں کہ الحمدللہ اس وقت بھی دنیا میں ایسے لوگ موجود ہیں جن کو ہمارے سیدھے رہنے کی فکر موجود ہے اور وہ ہمیں نصیحتیں کرتے رہتے ہیں۔ اب بتائیے کہ حضرت اس کو جواب میں کیا کچھ کہہ سکتے تھے لیکن اپنی عالی ظرفی کی وجہ سے خاموش رہے۔ ہم ہوتے تو کیا کہتے؟ ہم کہتے کہ بڑے آئے بات کرنے والے۔ یہ نہیں دیکھتے وہ نہیں دیکھتے، مگر نہیں، اللہ والوں کی بات ہی

کچھ اور ہوتی ہے۔

مولانا خیر محمد جالندھریؒ کا اخلاص:

حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ حضرت اقدس تھانویؒ کے خلفاء میں سے تھے۔ ایک مرتبہ آپ درس حدیث دے رہے تھے کہ آپ کو درس کے دوران ایک جگہ پر اشکال وارد ہوا۔ کافی سوچا اور حاشیہ بھی دیکھا مگر وہ اشکال رفع نہیں ہوتا تھا۔ حضرت نے تھوڑی دیر کے بعد طلباء کو بتادیا کہ اس جگہ پر میرے دل میں یہ اشکال وارد ہوا ہے اور اس کا جواب میری سمجھ میں نہیں آرہا..... کوئی ہم جیسا ہوتا تو گول ہی کر جاتا۔ جہاں سے آتا ہے پڑھا دیتے ہیں اور جہاں سے نہیں آتا اس کو ایسے پڑھا دیتے ہیں کہ دو دنوں میں دو مہینوں کا کورس ختم ہو جاتا ہے۔ جب طلباء پوچھتے ہیں کہ یہ کیسے ہے تو کہتے ہیں کہ اس کا جواب آگے آئے گا اور جب آگے چل کر پوچھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اس کا جواب پیچھے گزر چکا ہے..... مگر وہ حضرات اخلاص والے تھے۔ چنانچہ انہوں نے خود طلباء کو بتادیا کہ میرے دل میں یہ اشکال ہو رہا ہے اور میرے ذہن میں اس کا جواب نہیں آرہا۔ طلباء سے بھی پوچھا کہ اگر آپ لوگوں کے ذہن میں کوئی جواب آرہا ہو تو آپ بتادیجیے۔ طلباء سوچتے رہے مگر ان کے ذہن میں بھی جواب نہیں آیا۔ اس وقت حضرت کے ایک شاگرد تھے جنہوں نے حضرت سے ہی دورۂ حدیث کیا تھا مگر چونکہ ان کی استعداد اچھی تھی اس لئے حضرت نے ان کو اپنے مدرسہ میں استاد رکھا تھا۔ وہ استادِ حدیث تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت کہنے لگے، اچھا میں ان سے پوچھ کر آتا ہوں۔ یہ دل میں نہیں تھا کہ یہ بچے میرے بارے میں کیا سوچیں گے۔ شیخ الحدیث ہو کر اپنے شاگرد سے پوچھنے چلے گئے۔

جب حضرت بخاری شریف لے کر جانے لگے تو ایک طالب علم پیچھے سے جلدی سے بھاگا کہ میں ان کو جا کر اطلاع دے دوں کہ حضرت تشریف لا رہے ہیں۔ وہ کلاس میں پڑھا رہے تھے۔ جب انہوں نے جا

کران کو بتایا کہ حضرتؒ آپ کے پاس تشریف لا رہے ہیں تو انہوں نے اپنا درس وہیں موقوف کیا اور جلدی سے باہر نکلے برآمدے میں استاد شاگرد کی ملاقات ہوئی۔ استاد نے پوچھا، مولانا! مجھے اس جگہ اشکال وارد ہوا ہے اور کچھ بات سمجھ میں نہیں آرہی، میں آپ کے پاس آیا ہوں کہ آپ ہی ذرا بتادیں۔ جب شاگرد نے وہ جگہ دیکھی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں جواب ڈال دیا تو انہوں نے استاد کی خدمت میں عرض کیا، حضرت! جب میں آپ کے پاس پڑھتا تھا تو اس وقت اس مقام پر پہنچ کر آپنے اس مسئلہ کو یوں حل کیا تھا اور آگے اس کا جواب بتادیا۔ یہ نہیں کہا کہ حضرت! میرے دل میں یہ جواب آرہا ہے۔ جب استاد ایسے تھے تو پھر شاگرد بھی ایسے ہوتے تھے۔ کاش کہ ہمیں بھی ایسا اخلاص نصیب ہو جائے۔

مخلص بندے کے کام میں اللہ تعالیٰ کی مدد:

یہ بات ذہن میں رکھنا کہ اخلاص کے اندر اللہ تعالیٰ نے بڑی برکت رکھی ہے۔ ظاہر میں نظر آتا ہے کہ کام اٹک جائے گا اور رک جائے گا مگر مخلص بندے کے کام کو اللہ تعالیٰ کبھی اٹکنے نہیں دیتے، کبھی رکنے نہیں دیتے۔ اللہ تعالیٰ اس کے کام کو کروادیا کرتے ہیں۔ اب ذرا چند مثالیں سن لیجئے۔

(۱).....ایک مرتبہ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ جہاد کے دوران ایک کافر کے سینے پر چڑھ بیٹھے۔ آپ چاہتے تھے کہ اس کو خنجر سے ذبح کردوں۔ اس نے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے چہرۂ انور پر تھوک دیا۔ جیسے ہی اس مردود نے تھوکا آپ فوراً پیچھے ہٹ گے۔ وہ بڑا حیران ہوا کہ اب تو انہیں ضرور ہی قتل کردینا چاہیے تھا۔ وہ پوچھنے لگا کہ جی آپ نے مجھے قتل کیوں نہیں کیا؟ اآپ نے فرمایا کہ میں تجھے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے مارنا چاہ رہا تھا، اب تم نے میری طرف جو تھوکا تو میرے نفس کا غصہ بھی شامل ہوگیا اور میں اپنے نفس کی خاطر کسی کو قتل نہیں کرنا چاہتا۔ جب اس نے یہ سنا تو وہ اتنا متاثر ہوا کہ کہنے لگا، اچھا! پہلے تو میں کفر پر مر رہا

تھا اب آپ کا اخلاص مجھے اتنا اچھا لگا کہ آپ مجھے بھی کلمہ پڑھ کر مسلمان بنا دیجئے۔ اب ظاہر میں یہ نظر آ رہا ہے کہ یہ پیچھے ہٹ گئے تو یہ بندے کو نہیں ماریں گے مگر اللہ تعالیٰ کام کو ادھورا نہیں رہنے دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بندے کو کلمے کی توفیق عطا فرما دی۔

(۲).....سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک علاقے کا شہزادہ تھا۔ وہ گرفتار ہو کر پیش ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ اس بندے کو قتل ہی کروا دیں کیونکہ انہوں نے مسلمانوں کے خلاف بہت ہی زیادہ مصیبت بنائی ہوئی تھی۔ چنانچہ آپ نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا۔ جب قتل کا حکم دے دیا تو اس نے کہا، جی کیا آپ میری آخری تمنا پوری کر سکتے ہیں؟ آپ نے پوچھا، کون سی؟ اس نے کہا، مجھے پیاس لگی ہوئی ہے لہٰذا مجھے پانی کا پیالہ پلا دیجئے۔ آپ نے حکم دیا کہ اسے پانی کا پیالہ پلا دو۔ چنانچہ اسے پانی کا پیالہ دے دیا گیا۔

جب اس نے پانی کا پیالہ ہاتھ میں لیا تو کانپنا شروع کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا' بھئی! آپ کانپ کیوں رہے ہیں؟ کہنے لگا، مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ میں ادھر پانی پینے لگوں گا اور ادھر جلاد مجھے قتل کر دے گا اس لئے مجھ سے پیا ہی نہیں جا رہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، تو فکر نہ کر، جب تک تو یہ پانی نہیں پی لیتا اس وقت تک تجھے قتل نہیں کیا جائے گا۔ جیسے ہی آپ نے یہ کہا تو اس نے پانی کا وہ پیالہ زمین پر گرا دیا اور کہنے لگا، جی آپ قول دے چکے ہیں کہ جب تک میں پانی کا یہ پیالہ نہیں پیوں گا آپ مجھے قتل نہیں کریں گے، لہٰذا اب آپ مجھے قتل نہیں کر سکتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ہاں میں نے قول دیا تھا لہٰذا اب میں تجھے قتل نہیں کرتا۔ جیسے ہی آپ نے کہا کہ میں تجھے قتل نہیں کرتا تو اس وقت وہ کہنے لگا، جی اچھا، آپ نے تو فرما دیا کہ آپ مجھے قتل نہیں کریں گے لیکن میری بات بھی سن لیجئے کہ آپ مجھے کلمہ پڑھا کر مسلمان بنا دیجئے۔ آپ نے پوچھا، بھئی! آپ پہلے تو مسلمان نہیں بنے اب بن رہے ہیں؟ اس نے

جواب دیا کہ پہلے آپ میرے قتل کا حکم دے چکے تھے، اگر میں اس وقت کلمہ پڑھ لیتا تو لوگ کہتے کہ موت کے خوف سے مسلمان ہوا ہے، لہٰذا میں چاہتا تھا کہ کوئی ایسا حیلہ کروں کہ موت کا خوف ٹل جائے، پھر میں اپنی مرضی سے اسلام قبول کروں اور لوگوں کو پتہ چل جائے کہ اللہ کی رضا کے لئے اسلام قبول کیا ہے.....تو مخلص بندے کا کام کبھی ادھورا نہیں رہتا بلکہ ہمیشہ اللہ رب العزت اس کو پورا کر دیتے ہیں۔

(۳).....ایک بادشاہ کے سو مٹکے شراب کے جا رہے تھے۔ ایک اللہ والے کو پتہ چلا تو ان کو غصہ آ گیا۔ چنانچہ انہوں نے مٹکے توڑنا شروع کر دیئے۔ انہوں نے ننانوے مٹکے توڑ کر ایک چھوڑ دیا۔ جب بادشاہ کو پتہ چلا تو اس نے انہیں گرفتار کروالیا۔ اس نے پوچھا، تم نے مٹکے کیوں توڑے؟ وہ کہنے لگے، جب مجھے پتہ چلا کہ ان مٹکوں میں شراب ہے تو میری غیرت نے گوارا نہ کیا کہ تم مسلمان ہو اور شراب پیتے ہو، اس لئے میں نے ان کو توڑ دیا۔ اس نے کہا، اچھا ننانوے مٹکوں میں تو غیرت کام آئی لیکن سوویں مٹکے میں غیرت کیوں نہ کام آئی؟ فرمانے لگے، ننانوے تک تو میں توڑتا چلا گیا، جب ننانوے کا مٹکا توڑ رہا تھا تو میرے دل میں خوشی کی ایک لہر پیدا ہوئی کہ دیکھو میں نے کتنا بڑا کام کر لیا۔ پھر میں نے سوچا کہ اب تک کام اللہ کے لئے کیا تھا اور اگر اب اگلا مٹکا توڑوں گا تو وہ اپنے نفس کی وجہ سے توڑوں گا اس لئے سو واں چھوڑ دیا۔ جب بادشاہ نے یہ سنا تو ان کو سزا دینے کی بجائے ویسے ہی آزاد کر دیا.....اللہ اکبر!!!

(۴).....عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے والد کا نام مبارک تھا۔ وہ ایک آدمی کے غلام تھے۔ اس نے ان کو اپنے باغ کی نگرانی پر رکھا ہوا تھا۔ بعض کتابوں میں انار کا باغ آیا ہے اور بعض میں آم کا باغ۔ بہر حال پھلوں کا باغ تھا۔ ان کو وہاں کام کرتے تین سال گزر چکے تھے۔

ایک دن باغ کا مالک وہاں آ پہنچا۔ اس نے ان سے کہا، بھئی! مجھے پھل کھلاؤ۔ وہ ایک درخت سے پھل لے کر آئے۔ جب اس نے کاٹا اور کھایا تو کھٹا تھا۔ مالک نے کہا، آپ تو کھٹا پھل لے آئے ہیں۔ وہ

پھر گئے اور دوسری جگہ سے پھل اتار کر لے آئے، جب کاٹا تو وہ بھی کھٹا تھا۔ جب تیسری دفعہ لائے تو پھر بھی کھٹا۔ مالک بڑا ناراض ہوا۔اس نے کہا، تمہیں باغ کی رکھوالی کرتے ہوئے تین سال گزر چکے ہیں لیکن تمہیں اب تک پتہ نہیں چلا کہ کس درخت کا پھل شیریں ہے اور کس کا پھل کھٹا ہے۔ جب وہ خوب ناراض ہوا تو مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے بالآخر کہا، جی آپ نے مجھے باغ کی نگرانی کے لئے رکھا تھا پھل کھانے کے لئے تو نہیں رکھا تھا، میں نے تین سال میں کبھی کوئی پھل نہیں کھایا اس لیے مجھے نہیں پتہ کہ کس درخت کا پھل میٹھا ہے اور کس درخت کا پھل کھٹا ہے۔اس مالک کو ان کی یہ بات اتنی اچھی لگی کہ اس نے ان کو آزاد کر دیا۔ پھر اس نے اپنی بیٹی کے ساتھ ان کا نکاح بھی کر دیا اور ان کو اس باغ کا مالک بھی بنا دیا۔اللہ تعالیٰ نے ان کو بیٹا عطا فرمایا جس کا نام انہوں نے عبداللہ رکھا اور پھر وہ اپنے وقت میں عبداللہ بن مبارک بنا.....سبحان اللہ..... یہ ہوتا ہے اخلاص!!!

(۵).....ابنِ عقیل رحمۃ اللہ علیہ اپنا واقعہ لکھتے ہیں کہ میں بہت ہی زیادہ غریب آدمی تھا۔ایک مرتبہ میں نے طواف کرتے ہوئے ایک ہار دیکھا جو بڑا قیمتی تھا۔ میں نے وہ ہار اٹھا لیا۔ میرا نفس چاہتا تھا کہ میں اسے چھپا لوں لیکن میرا دل کہتا تھا، ہرگز نہیں، یہ چوری ہے، بلکہ دیانتداری کا تقاضا یہ ہے کہ جس کا یہ ہار ہے اسے میں واپس کر دوں۔ چنانچہ میں نے مطاف میں کھڑے ہو کر اعلان کر دیا کہ اگر کسی کا ہار گم ہوا ہو تو آ کر مجھ سے لے لے۔ کہتے ہیں کہ ایک نابینا آدمی آیا اور کہنے لگا کہ یہ ہار میرا ہے اور میرے تھیلے میں سے گرا ہے۔ میرے نفس نے مجھے اور بھی ملامت کی کہ ہار تو تھا بھی نابینا کا، اس کا کسی کو کیا پتہ چلنا تھا، چھپانے کا اچھا موقع تھا مگر میں نے وہ ہار اسے دے دیا۔نابینا نے دعا دی اور چلا گیا۔

کہتے ہیں کہ میں دعائیں بھی مانگتا تھا کہ اللہ! میرے لئے کوئی رزق کا بندوبست کر دے۔اللہ کی شان دیکھیں کہ میں وہاں سے ''ہلہ'' آ گیا۔ یہ ایک بستی کا نام ہے۔ وہاں کی ایک مسجد میں گیا تو پتہ چلا کہ چند

دن پہلے امام صاحب فوت ہو گئے تھے۔لوگوں نے مجھے کہا کہ نماز پڑھا دو۔جب میں نے نماز پڑھائی تو انہیں میرا نماز پڑھانا اچھا لگا۔وہ کہنے لگے،تم یہاں امام کیوں نہیں بن جاتے۔میں نے کہا، بہت اچھا۔ میں نے وہاں امامت کے فرائض سرانجام دینے شروع کر دیے۔تھوڑے دنوں کے بعد پتہ چلا کہ جو امام صاحب پہلے فوت ہوئے تھے ان کی ایک جواں سال بیٹی ہے۔وہ وصیت کر گئے تھے کہ کسی نیک بندے سے اس کا نکاح کر دینا۔مقتدی لوگوں نے مجھ سے کہا، جی اگر آپ چاہیں تو ہم اس یتیم بچی کا آپ سے نکاح کر دیتے ہیں۔میں نے کہا، جی بہت اچھا، چنانچہ انہوں نے اس کے ساتھ میرا نکاح کر دیا۔

شادی کے کچھ عرصہ کے بعد میں نے اپنی بیوی کو دیکھا کہ اس کے گلے میں وہی ہار تھا جو میں نے طواف کے دوران ایک نابینا آدمی کو لوٹایا تھا۔اسے دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔

میں نے پوچھا، یہ ہار کس کا ہے؟

اس نے کہا، یہ میرے ابو نے مجھے دیا تھا۔

میں نے کہا، آپ کے ابو کون تھے؟

اس نے کہا، وہ عالم تھے، اس مسجد میں امام تھے اور نابینا تھے۔

تب مجھے پتہ چلا کہ اس کے ابو وہی تھے جن کو میں نے وہ ہار واپس کیا تھا۔میں نے اس کو بتایا کہ یہ ہار تو میں نے ان کو اٹھا کر دیا تھا۔وہ کہنے لگی کہ آپ کی بھی دعا قبول ہو گئی اور میرے ابو کی بھی دعا قبول ہو گئی ۔میں نے کہا، وہ کیسے؟ اس نے کہا کہ آپ کی دعا تو اس طرح قبول ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو گھر بھی دیا، گھر والی بھی دی اور رزق بھی دیا اور میرے ابو کی دعا اس طرح قبول ہوئی کہ جب وہ ہار لے کر واپس آئے تو وہ دعا مانگتے تھے کہ اے اللہ! ایک امین (امانت دار) شخص نے میرا ہار مجھے لوٹایا ہے، اے اللہ! ایسا ہی امین شخص میری بیٹی کے لئے خاوند کے طور پر عطا فرما دے۔اللہ نے میرے باپ کی دعا بھی قبول

کر لی اور آپ کو میرا خاوند بنا دیا.....تو مخلص بندے کا کام اللہ تعالیٰ کبھی رکنے نہیں دیتے، اٹکنے نہیں دیتے بلکہ اس کی کشتی ہمیشہ کنارے لگا دیا کرتے ہیں۔

(۶).....احمد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ ایک دن وضو کر رہے تھے۔ وضو کرنے کے بعد جب اٹھے تو نقاہت اور کمزوری کی وجہ سے نیچے گر گئے۔ جو شاگرد وضو کروا رہا تھا اس نے پوچھا، حضرت! کیا ہوا ان کی زبان سے نکل گیا، میں تین دن سے فاقے سے ہوں، اس کمزوری کی وجہ سے چکر آیا اور میں گر گیا۔ وہ شاگرد ان کو مصلے پر چھوڑ کر کھانا لینے چلا گیا۔ کھانا لا کر اس نے عرض کیا، حضرت! کھانا کھا لیجئے۔ حضرت نے فرمایا، میں یہ کھانا نہیں کھاؤں گا۔ اس نے پوچھا، کیوں؟ فرمایا، اس لئے کہ جب میں نے تمہیں بتا دیا کہ میں تین دنوں سے فاقے سے ہوں اور تم چلے گئے تو میرے دل میں خیال آیا کہ ممکن ہے کہ تم کھانے کی کوئی چیز لے کر آؤ۔ یہ جو طمع مخلوق کے ساتھ ہے، اس کو اشرافِ نفس کہتے ہیں۔ یہ بھی ماسوا کے ساتھ طمع ہے، میں اس کو بھی پسند نہیں کرتا اور میں اپنی امیدیں فقط اللہ کے ساتھ رکھتا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے کھانا کھانے سے انکار کر دیا۔ مگر وہ شاگرد بھی اتنا ہونہار تھا کہ جب حضرت نے انکار کر دیا تو کہنے لگا، حضرت! اچھا اگر آپ کھانا نہیں کھاتے تو میں کھانا لے جاتا ہوں۔ وہ کھانا لے کر چلا گیا۔ وہ پانچ دس منٹ نظر سے اوجھل رہا اور اس کے بعد پھر واپس آ گیا اور عرض کرنے لگا، حضرت! اب تو آپ کے دل سے طمع ختم ہو گئی ہے، اب میں دوبارہ کھانا لے آیا ہوں، آپ قبول فرمالیں۔ اب حضرت نے وہ کھانا قبول فرما لیا..... پتہ چلا کہ ہمارے مشائخ ہر کام اللہ رب العزت کی رضا کے لئے کیا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ بندے کی نیت کے مطابق معاملہ فرما دیتے ہیں۔

(۷).....طولون نامی ایک حاکم گزرا ہے۔ وہ دیندار مزاج کا آدمی تھا.....اس وقت کے حاکم دنیا دار ہونے کے باوجود دیندار بھی ہوا کرتے تھے۔ اس نے ایک مرتبہ ایک بچے کو لاوارث پڑا دیکھا تو وہ سمجھ

گیا کہ اسکی ماں نے اس کو جنا اور اسے یہاں چھوڑ دیا۔ چنانچہ اس نے بچے کو اٹھالیا۔ اس نے اس بچے کا نام احمد رکھا لیکن وقت کے ساتھ ساتھ وہ احمد یتیم کے نام سے مشہور ہو گیا۔ اب اس نے احمد یتیم کو بیٹوں کی سی محبّت دی، اس کی اچھی تربیت کی اور پھر اس کو اپنا خاص مصاحب بنا دیا۔ احمد یتیم بھی بڑا دیانتدار، نیکوکار اور پرہیز گار نوجوان بنا۔

اردگرد کے لوگ احمد یتیم سے بڑا حسد کیا کرتے تھے۔ ان کو پتہ تھا کہ یہ اس کا حقیقی بیٹا نہیں ہے بلکہ اس نے پالا ہوا ہے۔

کچھ عرصہ کے بعد طولون کی وفات ہونے لگی تو اس نے اپنے بیٹے ابوالجیش کو اپنا نائب بنایا اور پوری سلطنت اس کے حوالے کر دی اور یہ وصیت کی کہ بیٹا! یہ (احمد) تیرا بھائی ہے، میں نے اس کی پرورش کی ہے، تم بھی ساری عمر اس کا خیال رکھنا۔ اس کے بعد وہ فوت ہو گیا۔ چنانچہ جب ابوالجیش نے کنٹرول سنبھالا تو اس نے بھی احمد یتیم کے ساتھ اچھا تعلّق رکھا۔

ایک مرتبہ ابوالجیش کو کسی چیز کی ضرورت پڑی۔ اس نے احمد یتیم کو بلایا اور کہا کہ یہ چابی لیں اور فلاں راستے سے آپ میرے کمرے میں چلے جائیں اور یہ چیز اٹھا کر لے آئیں۔ اس نے دن میں وہ راستہ کھولا اور کمرے میں چلا گیا۔ وہ جیسے ہی اس کمرے میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ ابوالجیش کی ایک باندی جو بڑی خوبصورت تھی اور ابوالجیش اس کے ساتھ بڑی محبّت کرتا تھا وہ اس وقت اس کمرے میں کسی خادم کے ساتھ زنا کی مرتکب ہو رہی تھی۔ اس باندی کو توقع ہی نہیں تھی کہ دن کے وقت بھی مرد کمرے میں واپس آ سکتا ہے۔ جیسے ہی اس نے دروازہ کھولا اور یہ معاملہ دیکھا تو وہ مرد بھاگ گیا اور عورت احمد یتیم کو اپنے چکر میں پھنسانے لگی اور اس کی منت سماجت کرنے لگی کہ تم بھی میرے ساتھ وہی کرو جو وہ کر رہا تھا۔ لیکن اس کے دل میں نیکی تھی لہٰذا کہنے لگا، ہرگز نہیں۔

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْۤ اَحْسَنَ مَثْوَایَ (یوسف:23)

سبحان اللہ، نیک لوگوں کا یہی دستور رہا ہے۔ چنانچہ احمد یتیم اس بدکار عورت کے چنگل سے نکل گئے اور وہ چیز اٹھا کر اس کمرے سے واپس آ گئے۔

اب اس باندی کے دل میں یہ بات کھٹک گئی کہ اگر یہ جا کر میری شکایت لگائے گا تو مجھے قتل کر دیا جائے گا۔ لیکن انہوں نے اس کا پردہ رکھا اور آ کر وہ چیز ابوالحیش کو دے دی اور بات گول کر دی۔

ابوالحیش نے انہی دنوں میں ایک اور نکاح کر لیا اور دوسرا نکاح کرنے کی وجہ سے پہلی بیوی کے پاس وقت گزارنے میں ذرا کمی آنے لگی۔ چونکہ وہ دل میں سوچتی تھی کہ اس کا کوئی نہ کوئی ردعمل ہونا ہے اس لئے اس کے دل میں یہ بات کھٹک گئی کہ احمد یتیم نے میرے خاوند کو سب کچھ بتا دیا ہے جس کی وجہ سے میرے خاوند کی توجہ مجھ سے ہٹ گئی ہے۔

عورت کے دل میں جب حسد آ جائے تو پھر وہ کیا کیا مکاریاں کر گزرتی ہے۔ چنانچہ اس نے سوچا کہ میں کسی طرح احمد یتیم کو راستے سے ہٹاؤں۔ ایک دن ابوالحیش اس سے ملنے کے لئے آیا۔ جب اس نے دیکھا کہ میاں بڑی محبّت کی نظر سے دیکھ رہا ہے اور پیار دے رہا ہے تو اس وقت وہ رونے لگ گئی۔ اس نے کہا، تم رو کیوں رہی ہو؟ وہ کہنے لگی، میں کیا بتاؤں، ایک دن احمد یتیم ہمارے کمرے میں آیا تھا، اس نے میرے ساتھ بدکاری کی کوشش کی اور میں نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو اس کے چنگل سے بچایا تھا۔

جب ابوالحیش نے یہ سنا تو اسے یاد آیا کہ ہاں میں نے ایک مرتبہ دن کے وقت احمد یتیم کو چابی دے کر بھیجا تھا اس وقت اس نے میرے حرم کے ساتھ خیانت کرنے کی کوشش کی ہو گی۔ یہ سوچ کر اس کی

آنکھوں میں خون اتر آیا کہ یہ اتنا خائن شخص ہے، اس نے اسی وقت نیت کر لی کہ میں احمد یتیم کو قتل کروا دیتا ہوں۔

چنانچہ جب وہ دربار میں آیا تو اس نے اپنے خاص بندے کو بلایا اور اسے کہا کہ میں ایک آدمی کو برتن دے کر آپ کی طرف بھیجوں گا اور وہ آپ کو میرا یہ پیغام دے گا کہ اس برتن کو کستوری سے بھر دو۔ آپ یہ کام کرنا کہ وہ برتن جو بندہ لے کر آپ کے پاس آئے گا، آپ اس کو قتل کر کے اس کا سر اس برتن میں ڈال کر میرے پاس لے آنا۔

پھر اس نے احمد یتیم کو بلوایا اور اس سے باتیں کرنا شروع کر دیں۔ جب اس کا غصہ ٹھنڈا نہ ہوا تو اس نے احمد یتیم کو وہ برتن دیا اور کہنے لگا کہ آپ فلاں بندے کے پاس جائیں اور اسے کہیں کہ وہ اسکو کستوری سے بھر کر لائے۔ احمد یتیم کو تو کچھ پتہ نہیں تھا۔ یہ برتن لے کر کچھ آگے گیا تو راستے میں اسی آدمی سے ملاقات ہوگئی جس نے باندی کے ساتھ زنا کا ارتکاب کیا تھا۔ اس نے احمد یتیم سے وہ برتن لے لیا کہ یہ کام میں کر دیتا ہوں۔ چنانچہ جب وہ آدمی اس خاص بندے کے پاس گیا تو اس نے اسے فوراً قتل کروا دیا اور اس کا سر برتن میں ڈال کر ابوالجیش کے پاس بھجوا دیا۔ جب ابوالجیش کے سامنے احمد یتیم کی بجائے دوسرے آدمی کا سر لایا گیا تو وہ بڑا حیران ہوا۔ ابوالجیش نے احمد یتیم کو زندہ حالت میں دیکھا تو بڑا حیران ہوا کہ میں نے تو کچھ اور پلاننگ کی تھی، یہ کیا ہوا۔ احمد یتیم بھی بڑے حیران تھے کہ اس میں کستوری کی بجائے اسی خادم کا سر تھا۔

اس وقت ابوالجیش نے کہا کہ میں نے تو تمہیں مروانے کے لئے یہ کام کیا تھا۔ اب احمد یتیم کو واضح ہوا کہ اس باندی کے کہنے پر ابوالجیش نے میرے خلاف یہ سب کچھ کیا ہے۔ چنانچہ اب احمد یتیم نے اس کو پوری کہانی سنائی کہ جناب! میں نے آپ کی بیوی کی پردہ پوشی کی تھی مگر اس بدکار عورت نے مجھے راستے

سے ہٹانے کے لئے آپ کو میرے خلاف کر دیا اور قدرتاً وہی بندہ مرا جو اس کا زیادہ چاہنے والا تھا ۔جب ابوالجیش کو پتہ چلا تو اس نے باندی کو گرفتار کروالیا۔ جب اس نے پوچھا تو اس نے اپنے گناہ کا اقرار کرلیا۔ابوالجیش نے اس باندی کو بھی قتل کروادیا۔اب ابوالجیش کی نظر میں احمد یتیم کی قدر و منزلت اور بڑھ گئی اور اس نے وصیت کی کہ میرے بعد ان کو بادشاہ بنایا جائے .....اللہ اکبر!!!.....تو دیکھئے کہ جس کے اندر اخلاص تھا اللہ رب العزت نے اس کو بچالیا اور بدکردار اور خائن لوگ اپنے انجام کو پہنچ گئے ۔لہٰذا یہ دستور ذہن میں رکھ لیں کہ مخلص بندہ جب بھی کسی کام کے لئے قدم اٹھاتا ہے اللہ رب العزت ہمیشہ اس بندے کو سرخرو فرمادیتے ہیں۔

اخلاص کی وجہ سے جوڑ پیدا ہوتا ہے:

اخلاص کی وجہ سے اللہ تعالیٰ توڑ کی جگہ بھی جوڑ پیدا کردیتے ہیں۔مثال کے طور پر

(ا).....حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ سماع کے قائل تھے۔یعنی وہ اشعار سنا کرتے تھے۔ قوالی اور چیز ہوتی ہے،اس میں تو ساز و آواز ہوتے ہیں، وہ تو آج کل گانے کو دینی رنگ دینے کا طریقہ ہے اور موسیقی سو فیصد حرام ہے ۔سماع کہتے ہیں ان اشعار کا سننا جو محبّتِ الٰہی اور محبّتِ رسول ﷺ میں ہوں۔وہ چشتیہ سلسلے کے بزرگ تھے۔چونکہ اس سلسلہ کے بزرگ سنتے رہے ہیں اس لئے وہ بھی سنا کرتے تھے۔

اس وقت کے محتسبِ اعلیٰ قاضی ضیاء الدین سنامی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔وہ بڑے دیندار آدمی تھے۔وہ خود بھی ظاہرِ شریعت پر جمے رہتے تھے اور دوسرے لوگوں کو بھی جمائے رکھتے تھے۔ان کو جہاں پتہ چلتا کہ فلاں جگہ پر محفل ہورہی ہے تو وہ وہاں پہنچ کر محفل برخاست کروادیتے تھے۔اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ جب ان کو دیکھتے تو خاموشی سے محفل برخاست کردیتے تھے۔ان بزرگوں میں ساری

زندگی یہی طریقہ رہا۔ مگر زبان سے نہ تو وہ اِن کے خلاف کچھ کہتے اور نہ ہی یہ اُن کے خلاف کچھ کہتے۔ اللہ تعالیٰ کی شان دیکھیں کہ قاضی ضیاء الدین سنامی رحمۃ اللہ علیہ بیمار ہو گئے۔ وہ بیماری ایسی تھی کہ وہ وقت ان کی زندگی کا آخری وقت تھا۔ جب خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کو پتہ چلا تو وہ ان کی عیادت کے لئے ان کے گھر تشریف لے گئے۔ انہوں نے دروازے پر دستک دی تو قاضی ضیاء الدین سنامیؒ نے اپنے شاگرد کو بھیجا کہ دیکھو دروازے پر کون ہے۔ انہوں نے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ دروازے پر کھڑے ہیں۔ انہوں نے آکر بتا دیا۔ چونکہ اِن کی طبیعت میں ذرا زیادہ سختی تھی اس لئے جب انہوں نے سنا کہ فلاں بزرگ آئے ہیں تو وہ کہنے لگے کہ وہ ایک بدعت پر عمل کرتے ہیں، ایسی محفل میرے نزدیک بدعت ہے اور اب میرا مرنے کا وقت قریب ہے، ایسے وقت میں مَیں کسی بدعتی سے ملنا بھی پسند نہیں کرتا۔ جب شاگرد نے آکر بتایا کہ حضرت! وہ تو منع کر رہے ہیں کہ میرا موت کا وقت قریب ہے اور میں اس وقت رجوع الی اللہ رکھنا چاہتا ہوں، لہٰذا میں کسی ایسے بندے کے ساتھ ملنا بھی نہیں چاہتا، تو خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے فرمایا کہ ان کو جا کر کہو کہ بدعتی آپ کے ہاتھ پر توبہ کرنے کے لئے آیا ہے۔ جب یہ بات کہی اور قاضی ضیاء الدین سنامیؒ نے سنی تو وہ اس وقت لیٹے ہوئے تھے، انہوں نے اپنے سر سے پگڑی اتاری اور شاگرد سے کہا کہ میرے بستر سے لے کر میرے دروازے تک میرے اس عمامے کو بچھا دو اور ان سے کہو کہ وہ میرے عمامے پر جوتوں کے ساتھ چل کے میرے پاس آ جائیں ..... سبحان اللہ ..... جب دونوں طرف اخلاص ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ توڑ کی بجائے جوڑ پیدا فرما دیتے ہیں۔

(۲)..... حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں تربیت میں بڑی سختی ہوتی تھی۔ حتیٰ کہ اگر کوئی ایک دوسرے سے بات بھی کرتا تو اس کو بھی خانقاہ سے نکال دیا جاتا تھا۔ گویا وہاں پر نظم ونسق میں خوب

سختی تھی.....علماء نے لکھا ہے کہ جب شیخ کی طبیعت کے اندر سختی ہو تو اس میں مریدین کی بہت ہی زیادہ عظمت ہوتی ہے۔ پھر شیخ ان کی خوب تربیت کرتے ہیں اور وہ بہت جلدی سنور جاتے ہیں۔ یعنی شیخ کی سختی بھی ان کے حق میں رحمت بن جاتی ہے .....لیکن حضرت مدنیؒ کے ہاں بڑی رحمت کا معاملہ تھا۔ جو آتا اس کو مہمان بناتے، اس کو کھانا بھی کھلاتے اور کئی مرتبہ تو اس کے پاؤں بھی دبا دیا کرتے تھے۔ ان دونوں جگہوں پر طبیعتوں میں اتنا فرق تھا۔ دونوں پھول تھے مگر

ہر گل را رنگ و بوئے دیگر است

ہر پھول کا رنگ اور خوشبو جدا ہوتی ہے۔

ایک عالم حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں چند دن گزارنے کے بعد حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں گئے۔ وہاں چند دن شہزادوں کی طرح گزارے تو کہنے لگے، حضرت! میں ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔ فرمایا، کیا بات پوچھنا چاہتے ہو؟ عرض کیا، حضرت! میں حضرت تھانویؒ کی خانقاہ سے ہو کر آیا ہوں، وہاں تو اتنی ڈانٹ ڈپٹ ہوتی ہے کہ بندے کو کس کر رکھتے ہیں اور یہاں پر اتنی محبّت ملتی ہے کہ شہزادہ بنا کر رکھتے ہیں، آپ ذرا اس بات کی وضاحت فرما دیں.....اب کوئی عام بندہ ہوتا تو پتہ نہیں کہ آگے سے کیا جواب دیتا مگر وہ سنورے ہوئے لوگ تھے، لہٰذا دیکھیں کہ انہوں نے کیا ہی پیارا جواب دیا .....حضرت مدنیؒ نے فرمایا، دیکھو کہ وہاں پر بڑے طبیب ہیں، جراح ہیں اور سرجن ہیں، اور سرجن ہمیشہ جسم کو چیر لگاتا ہے اور پھوڑے کے اندر جو گندہ مواد ہوتا ہے وہ نکالتا ہے جس کی وجہ سے بندے کو تکلیف ہوتی ہے اس لئے تمہیں وہاں سختی محسوس ہوئی۔ میری حیثیت کمپوڈر کی سی ہے اور کمپوڈر یہ کام کرتا ہے کہ جب سرجن سرجری کر دیتا ہے تو وہ پھر زخموں کے اوپر فقط مرہم لگاتا ہے، چونکہ بندے کو مرہم لگانا اچھا لگتا ہے اس لئے وہ سمجھتا ہے کہ یہ میرے ساتھ پیار کا معاملہ کر رہا ہے۔.....ان کے اندر اخلاص

تھا اس لئے ایسی بات کہی جو توڑ کی بجائے جوڑ پیدا کرنے والی ثابت ہوئی۔ اسی اخلاص کی وجہ سے دل جڑتے ہیں اور انسان ایک دوسرے کے قریب آجاتے ہیں۔ اللہ رب العزت ہمیں بھی اخلاص کی یہ نعمت عطا فرمادے۔ (آمین)

ریاکار کی تین علامتیں:

ہمارے اکابر نے ریاکار کی تین علامتیں لکھی ہیں جن سے انسان اپنے آپ کو تول سکتا ہے کہ میں کس حال میں ہوں۔

پہلی علامت.....خلوت میں سستی اور جلوت میں چستی۔ یعنی کہ وہ تنہائی میں عبادات کے اندر غفلت اور سستی برتتا ہے، نماز پڑھتا ہے تو مختصر سی، جبکہ لوگوں کی محفل میں بڑی چستی دکھاتا ہے۔ جب لوگ دیکھ رہے ہوتے ہیں تو پھر بڑا صوفی صافی بن جاتا ہے، اس وقت وہ فقط اشراق کے نفل ہی نہیں پڑھتا بلکہ اسے پچھلی قضا نمازیں بھی یاد آجاتی ہیں اور جب لوگ نہیں دیکھ رہے ہوتے تو فرض نمازیں پڑھنا بھی مشکل نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کچھ طلباء جب تک مدرسے میں رہتے ہیں وہ بڑے اچھے معمولات کرتے رہتے ہیں اور جیسے ہی گھر جاتے ہیں بس گھر جاتے ہیں..... یہ اخلاص کے منافی چیز ہے ..... جس طرح مدرسے میں اعمال کی پابندی کرتے ہیں ہمیں چاہیے کہ جب گھروں میں جائیں تب بھی اسی طرح اعمال کی پابندی کریں۔ اس لئے کہ جس پروردگار کو یہاں راضی کرنا تھا اسی پروردگار کو وہاں بھی راضی کرنا ہے۔

دوسری علامت ..... وہ دنیا داروں سے تعریف کی توقع رکھے۔ یعنی اس کے اندر چاہت ہو کہ لوگ میری تعریف کریں۔ دیکھیں کہ تعریف ریاکار کی بھی ہوتی ہے اور مخلص بندے کی بھی، مگر دونوں میں فرق ہوتا ہے۔ ریاکار دل میں پسند کر رہا ہوتا ہے کہ میری تعریف ہو اور جب مخلص بندے کی تعریف کی

جائے تو اس وقت اس کا دل رو رہا ہوتا ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آتا ہے کہ جب کبھی کوئی بندہ ان کی تعریف کرتا تو ہمیشہ وہ تنہائی میں دعا کرتے، اے اللہ! آپ نے لوگوں کو میرے ساتھ جو حسنِ ظن عطا کر دیا اب مجھے ان کے حسنِ ظن کے مطابق بنا دیجئے۔

ایک تعریف ماں باپ اور پیر استاد کی ہوتی ہے۔ یہ تعریف مستحسن ہے بلکہ مطلوب ہے۔ اگر کوئی شاگرد اس لئے اچھا پڑھے کہ استاد میری تعریف کرے تو یہ اچھی بات ہے..... کیوں؟.....اس لئے کہ وہ استاد کو اللہ کا نیک بندہ سمجھتا ہے اور اس کی یہ نیت ہوتی ہے کہ اللہ کے اس نیک بندے کا دل خوش ہوگا، یہ دعا کرے گا اور اس کی دعا پر اللہ بھی مجھ سے راضی ہو جائے گا۔ کسی نے حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا، حضرت! یہ آپ کے مریدین آپ سے اتنا ڈرتے ہیں کہ اتنا تو خدا سے بھی نہیں ڈرتے۔ حضرت نے ان کو بٹھالیا۔ فرمانے لگے، بھئی! دیکھو، میں کوئی تھانیدار ہوں، وہ مجھ سے کیوں ڈرتے ہیں؟ اس نے کہا، جی وہ اس لئے ڈرتے ہیں کہ وہ آپ کو اللہ کا ولی سمجھتے ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر آپ خفا ہو گئے تو کہیں ان کی عاقبت ہی نہ خراب ہو جائے۔ اس پر حضرتؒ نے فرمایا، چونکہ وہ مجھے اللہ کا دوست سمجھتے ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر میں ناراض ہو گیا تو اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائیں گے اس لئے مجھ سے ڈرنا حقیقت میں اللہ کے خوف ہی کی ایک کرن ہے جو اللہ نے ان کے دل میں ڈال دی ہے.....اس لئے اللہ والوں کی تعریف، پیر کی تعریف، استاد کی تعریف اور ماں باپ کی تعریف اچھی ہوتی ہے اور ان کی دعاؤں سے انسان آگے بڑھتا ہے۔ ایک ہوتا ہے عام طور پر دل میں مخلوق سے تعریف کی نیت ہونا، یہ برا ہے۔ اس لئے تقریر کر کے پھر کہتے ہیں..... کہہ دو سبحان اللہ.....اور سب سے اونچا اونچا کہلوا رہے ہوتے ہیں۔ اور اللہ کے بندے! یوں کہو کہ بھئی اللہ کو یاد کر لو، ورنہ اتنا کچھ کر کرا کے لوگوں کی چند دفعہ سبحان اللہ مل گئی تو آپ کو تو آپ کی تقریر کا بدلہ مل گیا۔ اگر ایسا کیا تو یہاں سے فارغ ہو کے جاؤ گے اور

نامۂ اعمال میں کچھ نہیں لکھا ہوگا۔ تو مخلوق سے تعریف کی طمع نہ ہو بلکہ دل میں یہ نیت ہو کہ اے میرے مولا! میں یہ کام آپ کی رضا کے لئے کر رہا ہوں، بس میں آپ کی بارگاہ میں قبولیت پا جاؤں۔

تیسری علامت ..... جب مخلوق میں سے کوئی آدمی دین کے کام میں اس کی ملامت کرتا ہے تو وہ دین کا کام چھوڑ کر بیٹھ جاتا ہے۔ چنانچہ ذرا سی کوئی بات کر دے تو سنت پر عمل ختم ہو جاتا ہے۔ آپ نے سنا ہوگا کہ شادی کے موقع پر اکثر عورتیں کہتی ہیں کہ اگر یوں کر دیا تو لوگ کیا کہیں گے۔ کیا انہوں نے کبھی یہ بھی کہا ہے کہ اس موقع پر یوں کیا تو اللہ کیا کہے گا یا نبی علیہ السّلام کیا کہیں گے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے بارے میں سوچ ہی نہیں آتی۔ بلکہ سوچتے ہیں کہ ہم نے یوں کیا تو ہماری ناک ہی کٹ جائے گی۔ او بھئی! دنیا میں کیا ناک کٹے گی، جو ناک قیامت میں کٹے گی اس کو ساری مخلوق دیکھے گی۔ آج اگر دو بندوں نے بات کر بھی دی کہ انہوں نے شادی پر ڈھول باجے نہیں بجائے تو کوئی بات نہیں۔ اس سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ارے! لوگ کہتے ہیں تو کہتے رہیں ہم نے تو یہ دیکھنا ہے کہ ہمارے پروردگار کیا کہتے ہیں جن کی رضا کے لئے ہم یہ کام کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ریا کار کی ان تینوں علامتوں سے محفوظ فرمائے اور ہمیں پوری زندگی میں اخلاص کے ساتھ اعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

مخلص بندے کی تعریفیں زیادہ ہوتی ہیں:

ایک بات اور بھی ذہن میں رکھ لینا کہ ریا کار بندہ چاہتا ہے کہ میری تعریفیں ہوں لیکن یہ عاجز اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہے کہ ریا کار چاہتا ہے کہ میری تعریفیں ہوں، لیکن اللہ تعالیٰ اس کی اتنی تعریفیں نہیں کرواتے جتنی اس مخلص بندے کی کرواتے ہیں جس کا دل مخلوق کی طرف سے تعریف ہونے پر رو رہا ہوتا ہے۔ مزہ تو پھر اس لائن کا ہوا کہ اللہ کے ہاں اجر بھی ملا اور اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی زبان سے تعریفیں بھی کروا

دیں۔

جتنا اخلاص.....اتنا اجر:

ایک اصول یاد رکھئے کہ جتنا اخلاص زیادہ ہوگا اتنا اجر زیادہ ہوگا۔عمل چاہے کتنا چھوٹا کیوں نہ ہو اخلاص کی وجہ سے چھوٹا عمل بھی اللہ رب العزت کی نظر میں موٹا بن جایا کرتا ہے۔آپ نے ہیرا دیکھا ہوگا کہ چھوٹا سا ہوتا ہے اور اس چھوٹے سے ہیرے کی قیمت لاکھوں روپوں میں ہوتی ہے.....دیکھنے میں چھوٹا اور قیمت میں موٹا.....اسی طرح اخلاص بندے کے عمل کو ہیرے کی طرح قیمتی بنا دیا کرتا ہے۔

امام ابوداؤدؒ کا اخلاص:

اما ابوداؤدؒ ایک بڑے محدث گزرے ہیں۔ایک مرتبہ وہ ایک کشتی کا سفر کر رہے تھے۔ان کے سامنے سے ایک اور کشتی آرہی تھی۔ان کو سفر کے دوران اس وقت چھینک آئی جب سامنے سے آنے والی کشتی بالکل قریب تھی.....جس بندے کو چھینک آئے اسے چاہیے کہ وہ الحمد للہ کہے۔اور الحمدللہ کے الفاظ سننے والے کو چاہیے کہ وہ اس کو جواب میں یرحمك الله کہے۔اس کے بعد چھینک والا آدمی اس کے جواب میں یھدیکم اللہ کہے .....چنانچہ انہوں نے چھینک آنے پر الحمد لله کہا۔ساتھ والی کشتی میں سے ایک آدمی نے ان کی زبان سے الحمد لله سنا تو اس نے جواب میں یرحمك الله کہا۔لیکن جب حضرت ابوداؤدؒ نے جواب دینا تھا تو کشتی دور جا چکی تھی اور وہاں تک آواز نہیں پہنچ سکتی تھی۔جب حضرتؒ کنارے پر پہنچے تو وہاں جا کر انہوں نے ایک اور کشتی کرائے پر لی اور ایک درہم اس کو دیا اور کشتی سے واپس آئے اور واپس آکر اس بندے کو جس نے یرحمك الله کہا تھا اسے جواب میں یھدیکم الله کہا اور واپس آگئے۔رات کو جب سوئے تو

خواب میں کسی کہنے والے نے کہا، ابوداؤد کو مبارک دے دو کہ اس نے ایک درہم کے بدلے میں اللہ سے جنت خرید لی ہے.....اللہ اکبر!!!.....محدثین اللہ کی رضا کے لئے یوں اخلاص کے ساتھ عمل کرتے تھے۔اس وجہ سے آج ان کا فیض جاری ہے۔آج دنیا ان کی کتابیں پڑھ رہی ہے اور اپنی زندگی شریعت کے مطابق گزار رہی ہے اور وہ حضرات اپنی قبروں کے اندر اس کا اجر وثواب پا رہے ہیں۔تو اخلاص والے بندے کی محنت چھوٹی اور اسے اجرت موٹی ملتی ہے۔وہ کام تو تھوڑا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر بڑا پالیتا ہے۔

رضائے الٰہی کے متلاشی:

مخلص بندے کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنی نیکیوں کو دوسروں سے اس طرح چھپاتا ہے جیسے لوگ اپنے گناہوں کو دوسروں سے چھپاتے ہیں، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کام کر رہا ہوتا ہے۔ہمارے اکابر بھی نیک کام کر کے دوسروں سے چھپاتے ہیں اور وہ کسی کو بھی نہیں بتاتے تھے۔اس کی بھی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔

(۱).....سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا عمل یہ تھا کہ اگر کوئی سائل ان کے دروازے پر آتا تو اپنی خادمہ کے ہاتھ اس کو پیسے بھجوادیتیں اور دروازے پر آکر خود سنتیں کہ وہ کیا کہتا ہے۔خادمہ کو بھی اس بات کا پتہ تھا۔اس نے ایک دن پوچھ لیا کہ اے ام المؤمنین! آپ کے ایک عمل کی ہمیں سمجھ نہیں آتی کہ آپ کے در پر جب بھی کوئی سائل مانگنے آتا ہے تو آپ اس کو ہمارے ہاتھ سے دلواتی ہیں مگر پردے کے پیچھے جا کر سنتی ہیں کہ اس نے لے کر کیا کہا، اس کی کیا وجہ ہے؟.....ام المؤمنین نے فرمایا کہ میں جا کر سنتی ہوں کہ وہ مجھے کیا دعا دے رہا ہے، جو دعا وہ مجھے دیتا ہے میں وہی دعا اس بندے کے لئے کر دیتی ہوں تا کہ میری دعا اس کی دعا کا بدلہ بن جائے، عمل کا اجر تو میں اپنے پروردگار سے چاہتی ہوں.....

سبحان اللہ.....ان کو اس بات کا کتنا خیال ہوتا تھا کہ مجھے اپنے عمل کا بدلہ اللہ رب العزت سے چاہیے۔

(۲).....حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے جب مدائن کو فتح کیا تو کچھ دنوں کے بعد ایک عام مجاہد ان کے پاس آیا۔اس نے کوئی چیز کپڑے میں لپیٹی ہوئی تھی۔اس نے وہ چیز نکالی اور کہنے لگا، اے امیر الجیش ! میں آپ کی خدمت میں یہ امانت دینے کے لئے آیا ہوں۔ جب حضرت نے اس کو کھولا تو وہ مدائن کے بادشاہ کا تاج تھا۔ وہ تاج سونے کا بنا ہوا تھا اور اس پر اتنے قیمتی ہیرے اور موتی لگے ہوئے تھے کہ اگر وہ مجاہد اس کو بیچ کر کھاتا تو اس کی سات نسلوں کو کمانے کی ضرورت نہ ہوتی۔ جو بادشاہ اس جنگ میں قتل ہوا تھا اس کے سر سے وہ تاج کہیں گرا تھا۔ وہ مٹی میں پڑا تھا اور اس مجاہد کو مل گیا۔ کسی کو پتہ ہی نہیں تھا کہ وہ تاج اس کے پاس ہے۔اس نے بھی اس کو چھپا کر رکھا۔ جب ہر چیز سیٹل ہوگئی تو اس نے لا کر سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو پیش کر دیا۔ حضرت اس کے اخلاص پر حیران ہوئے کہ کسی کو اس تاج کے بارے میں پتہ بھی نہیں تھا، یہ غریب سا بندہ ہے، یہ اسے اپنے پاس رکھ بھی سکتا تھا، لہٰذا انہوں نے اس کے اخلاص پر حیرانی کا اظہار کیا اور اس سے پوچھا، اے مجاہد! تیرا نام کیا ہے؟ اس سوال پر مجاہد نے اپنا رخ پھیر کر ان کی طرف اپنی پیٹھ کر دی اور کہا کہ جس رب کو راضی کرنے کے لئے میں نے یہ تاج واپس کیا ہے وہ رب میرا نام جانتا ہے۔ یہ کہہ کر وہ ان کے دربار سے باہر چلا گیا۔

(۳).....مسلمہ بن عبدالملک ایک حاکم تھا۔ایک مرتبہ اس نے فوج کشی کی تو دشمن نے ایک قلعہ کے اندر چھپ کر پناہ لے لی۔ مسلمانوں نے اس قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ وہ محاصرہ کئی دن تک رہا۔ وہ لوگ اتنی مزاحمت کر رہے تھے کہ کوئی سبیل پیدا نہیں ہو رہی تھی دشمنوں میں سے ایک بندہ ایسا تھا جو دیوار کے اوپر چڑھ کر نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی شان میں گستاخانہ الفاظ کہا کرتا تھا۔ مسلمان چاہتے تھے کہ ہم جلدی فتح کر لیں لیکن جب یہ قریب جاتے تو وہ دشمن تیروں کی ایسی بارش برساتا کہ یہ پیچھے ہٹ آتے۔

اللہ تعالیٰ کی شان دیکھیں کہ ایک دن ایک مسلمان نوجوان فوج کے ساتھ آگے گیا اور تیروں کی پروا کیے بغیر آگے بڑھتا رہا۔ تیر اس کے جسم میں چبھتے رہے چبھتے رہے، وہ فقط اپنا سر بچاتا رہا۔ بالآخر وہ تیروں کی بارش میں سے گزر کر دیوار کے ساتھ جا کر بیٹھ گیا۔ اب وہ ایسی جگہ پر بیٹھا تھا کہ جہاں تیر مارنے والوں کے تیر اس تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ وہاں سے اس نے دیوار توڑنا شروع کر دی۔ اس کو دیکھ کر کچھ اور مسلمان نوجوان بھی آگے چلے گئے اور ان سب نے مل کر بالآخر اس دیوار میں نقب لگا دی۔ جب اس میں سے چند مسلمان نوجوان اندر داخل ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے وہ قلعہ فتح کروا دیا۔ اب اس نوجوان کی بہادری پر پورا لشکر حیران تھا کہ اس نوجوان نے تیروں کی بارش میں جان کی پروا نہیں کی، یہ تیروں پہ تیر کھاتا رہا اور بالآخر اتنے بڑے کارنامے کا سبب بنا۔ ہر بندہ جاننا چاہتا تھا کہ یہ صاحبِ نقب کون ہے۔ جب فتح ہو گئی تو ایک موقع پر سب لوگ اکٹھے تھے۔ اس وقت امیرِ لشکر نے کھڑے ہو کر کہا کہ میں صاحبِ نقب کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ وہ میرے کہنے پر کھڑا ہو جائے تاکہ میں جانوں کہ وہ کون ہے۔ جب اس نے یہ کہا تو ایک نوجوان کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنا چہرہ چھپایا ہوا تھا۔ وہ کہنے لگا، امیر المؤمنین! میں بھی آپ کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ آپ نے مجھے کھڑا تو کر لیا، آپ میرا نام ہرگز نہ پوچھئے گا۔ چنانچہ امیر لشکر اس کا نام نہ پوچھ سکے اور وہ پھر اسی طرح گم ہو گیا اور کسی کو پتہ ہی نہ چلا۔ امیر لشکر اس کے اس عمل سے اتنا خوش ہوتا تھا کہ وہ دعا مانگا کرتا تھا، اے اللہ! قیامت کے دن میرا حشر بھی اس صاحبِ نقب کے ساتھ فرما دیجئے گا..... سبحان اللہ..... وہ اتنا مخلص بندہ تھا کہ اس نے اتنا بڑا کام کر دیا اور وہ یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ میرا نام بھی لوگوں کو معلوم ہو۔

(۳)..... چوتھی صدی ہجری میں ایک بزرگ ابو عمر مجاہد رحمۃ اللہ علیہ گزرے ہیں۔ انکے وقت میں حاکم نے لوگوں کے فائدے کی خاطر ایک فلاحی کام کروانا تھا لیکن اس میں بہت زیادہ پیسہ لگتا تھا جبکہ ان کے

پاس اتنی رقم نہیں تھی۔اس نے ابوعمر مجاہدؒ سے عرض کیا، حضرت! میں چاہتا ہوں کہ میں یہ صدقہ جاریہ کا کام کروں لیکن میرے پاس خزانے میں اتنا پیسہ نہیں کہ میں یہ کام کرسکوں۔حضرتؒ نے اس کو دولاکھ دینار دے دیئے۔وہ یہ رقم لے کر بہت خوش ہوا۔

اگلے دن اس نے لوگوں کو بلایا اوران کو ترغیب دی کہ جو رقم بچتی ہے وہ بھی آپ لوگ دے دیں اور بات کرتے کرتے اس نے لوگوں کو بتادیا کہ ابوعمر مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مجھے دولاکھ دینار عطا کئے ہیں۔ جیسے ہی اس نے یہ کہا تو ابوعمر مجاہدؒ کھڑے ہوگئے اور کہنے لگے، امیر صاحب! مجھ سے ایک غلطی ہوگئی ہے کہ میں نے یہ رقم آپ کو تو دے دی مگر میں اپنی والدہ سے اس کی اجازت نہیں لے سکا اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر ان سے اجازت لے لوں تو یہ زیادہ بہتر ہوگا، لہٰذا آپ میری رقم واپس کردیجئے۔اب جب اس نے اتنے لوگوں میں اپنی رقم واپس مانگی تو جو لوگ پہلے تعریفیں کررہے تھے، اب ان سب نے اسے بری نظر سے دیکھا اور کہا کہ یہ کیسا بندہ ہے۔امیر وقت کو بھی وہ رقم واپس کرنی پڑی۔جب امیر وقت نے رقم واپس کردی اور انہوں نے لے لی اور سب لوگ چلے گئے تو رات کے اندھیرے میں وہ وہی رقم (دولاکھ دینار) لے کر دوبارہ آئے اور امیر سے کہنے لگے کہ آپ نے تو مجھے ذبح ہی کرنا چاہا مگر اللہ نے مجھے بچالیا۔میں نے والدہ کا بہانہ بنایا تھا، حالانکہ یہ رقم میری ہی ملکیت میں تھی، اب میں آپ کو یہ دوبارہ اللہ کے نام پر دیتا ہوں، آپ میرا نام کسی کے سامنے نہ لیجئے گا۔

(۴).....سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ایک عمل دل کے کانوں سے سن لیجئے۔ایک مرتبہ حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ دربارِ صدیقی میں آئے۔وہاں مدینہ منورہ کے نادار اور بے کس لوگوں کی فہرست پڑی تھی۔اس میں لکھا ہوا تھا کہ..... یہ بوڑھا آدمی ہے..... یہ بوڑھی عورت ہے..... یہ بیمار ہے..... یہ لاچار ہے اور ان کی خدمت کرنے والا کوئی نہیں ہے۔پھر جن جن لوگوں نے ان کی خدمت کرنے کی

ذمہ داری قبول کی ان کے نام ان کے سامنے لکھے ہوئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ ساری لسٹ پڑھی ۔اس میں ایک بوڑھی عورت کا نام لکھا ہوا تھا کہ یہ اکیلی ہے اور اس کی خدمت کرنے والا کوئی نہیں ہے جو اس کے گھر میں جھاڑو دے اور اس کے لئے پانی بھر دے اور آگے جگہ خالی تھی ۔ یعنی کسی نے اس عورت کی خدمت کے لئے نام نہیں لکھوایا تھا۔ لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارادہ کرلیا کہ یہ کام میں اپنے ذمے لے لیتا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے اس عورت کا نام نوٹ کرلیا کہ اس کا یہ کام میں کر دیا کروں گا۔

چنانچہ اگلے دن فجر کی نماز پڑھنے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس بڑھیا کے گھر گئے اور دروازہ کھٹکھٹا کر کہا، اماں! میں آپ کی خدمت کے لئے آیا ہوں ۔ اماں نے کہا، میری خدمت تو ہو چکی ہے۔ ایک جھاڑو دینا ہوتا ہے اور ایک باہر سے پانی بھر کے لانا ہوتا ہے اور باقی کام میں خود کر لیتی ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا، اماں! یہ کام کرنے کے لئے کون آتا ہے؟ وہ کہنے لگی، میں اسے پہچانتی نہیں کیونکہ میں نے تو اسے کبھی دیکھا ہی نہیں۔ پوچھا، اس کا نام کیا ہے؟ وہ کہنے لگی کہ اس نے کبھی اپنا نام بتایا ہی نہیں، وہ آکر کہتا ہے کہ خدمت والا آگیا ہے لہٰذا میں پردہ کر لیتی ہوں اور وہ دونوں کام کر کے چلا جاتا ہے اور جاتے ہوئے کہتا ہے کہ اب پردہ ختم ہو گیا ہے، لہٰذا پھر میں باہر آجاتی ہوں۔ وہ اتنے عرصے سے خدمت کر رہا ہے لیکن نہ تو میں نے اس کی شکل دیکھی ہے اور نہ ہی میں اس کا نام جانتی ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کی بات سن کر بڑے حیران ہوئے۔

اگلے دن انہوں نے تہجّد کی نماز پڑھی اور اس کے بعد وہاں پہنچ گئے۔ دروازے پر کھڑے ہو کر کہا، اماں! میں خدمت کے لئے آگیا ہوں۔ اماں نے کہا، خدمت کرنے والا تو خدمت کر کے جا چکا ہے۔ وہ بھی عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ تھے، چنانچہ انہوں نے اگلے دن عشاء کی نماز پڑھی اور اس بڑھیا کے گھر کے راستے پر چھپ کر بیٹھ گئے تا کہ دیکھ سکیں کہ یہ مردِ خدا کون ہے۔

جب رات گہری ہوگئی اور لوگ میٹھی نیند سو گئے تو دیکھا کہ ایک آدمی بہت آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس بڑھیا کے گھر کے قریب آیا۔ اسے دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور اس سے پوچھا، آپ کون ہیں؟ جواب میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آواز آئی ''میں ابوبکر ہوں''۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حیران ہو کر پوچھا، اے امیر المؤمنین! آپ اس وقت اکیلے یہاں کیسے تشریف لائے؟ فرمانے لگے، ہاں! اس بڑھیا کی خدمت میں نے اپنے ذمے لی تھی اس لئے یہاں آیا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ امیر المؤمنین جوتوں کے بغیر چل کے آرہے ہیں تو پوچھا، اے امیر المؤمنین! آپ کے جوتے کہاں ہیں؟ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرمانے لگے، میں نے جوتے گھر اتار دیئے اور ننگے پاؤں اس لئے آرہا ہوں کہ میرے جوتوں کی آہٹ سے کسی سونے والے کی نیند میں خلل نہ پڑ جائے ..... سبحان اللہ ..... یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے نبی علیہ السّلام کی زبان فیض ترجمان سے جنت کی بشارتیں پائی تھیں، اس کے باوجود وہ اپنے اعمال کو اس طرح چھپ کر اللہ کی رضا کے لئے کیا کرتے تھے۔ آج اس کسوٹی پر اگر ہم اپنے اعمال کو دیکھیں تو ہمیں اپنا نامۂ اعمال خالی نظر آتا ہے۔

اخلاص کی چیکنگ:

اس خلوص کو چیک کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں چیک پوسٹیں بنی ہوئی ہیں ..... جیسے دنیا کے اندر چیک پوسٹیں بنی ہوتی ہیں۔ بندے جا رہے ہوتے ہیں تو آگے سے انتظامیہ کے آدمی انہیں روک لیتے ہیں۔ وہ ان کو بھی چیک کرتے ہیں اور ان کی گاڑی کو بھی چیک کرتے ہیں۔ پھر وہ آگے جاتے ہیں اور پھر ایک اور چیک پوسٹ آجاتی ہے۔ وہاں بھی چیکنگ ہوتی ہے ..... اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی بندے کے اخلاص کو چیک کرنے کے لئے سات چیک پوسٹیں ہیں۔ چنانچہ روایات میں آیا ہے کہ جب کوئی بندہ نیک عمل کرتا ہے تو ایک فرشتہ اس کے عمل کو لے کر آسمان پر جاتا ہے۔ وہ پہلے آسمان کا دروازہ بند پاتا ہے

۔وہ دروازہ کھٹکھٹاتا ہے۔اس دروازے پر متعیّن فرشتہ پوچھتا ہے،کون ہواور کیوں اوپر جانا چاہتے ہو؟ وہ کہتا ہے کہ ایک بندے نے عمل کیا ہے، میں وہ عمل اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کرنا چاہتا ہوں۔وہ فرشتہ کہتا ہے، مجھے عمل چیک کرواؤ۔وہ فرشتہ دیکھتا ہے کہ اس نے یہ عمل اللہ کے لئے کیا ہے یا کسی مخلوق کے لئے۔ اگر وہ دیکھتا ہے کہ اللہ کے لئے عمل کیا ہے تو وہ اس کو اوپر جانے دیتا ہے اور اگر اللہ کے لئے نہ کیا ہو تو اسے واپس بھیج دیتا ہے۔پھر اسی طرح دوسرے آسمان پر چیک پوسٹ آتی ہے۔وہاں بھی فرشتہ چیک کرتا ہے.....پھر تیسرے آسمان پر.....پھر چوتھے آسمان پر.....حتیٰ کہ ساتوں آسمانوں پر فرشتے اس کے خلوص کو چیک کرتے ہیں، بالآخر جب وہ عمل اللہ رب العزت کے سامنے پیش کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ خود بھی اس عمل کو چیک کرتے ہیں، اگر سو فیصد اللہ کی رضا کے لئے عمل ہوتا ہے تو اللہ رب العزت قبول فرما لیتے ہیں اور اگر ایک فیصد بھی غیر کی طرف توجہ تھی تو اللہ تعالیٰ اس کئے ہوئے عمل کو بندے کے منہ پر مار دیتے ہیں۔

اسی لئے فرمایا

اَلنَّاسُ كُلُّهُمْ هَالِكُوْنَ اِلَّا الْعَالِمُوْن۔

انسان سب کے سب ہلاک ہونے والے ہیں سوائے علم والوں کے،

وَالْعَالِمُوْنَ كُلُّهُمْ هَالِكُوْنَ اِلَّا الْعَامِلُوْن

اہل علم سب کے سب ہلاک ہونے والے ہیں سوائے عمل کرنے والوں کے،

وَالْعَالِمُوْنَ كُلُّهُمْ هَالِكُوْنَ اِلَّا الْمُخْلِصُوْن

عمل کرنے والے سب ہلاک ہونے والے ہیں سوائے مخلصین کے،

وَالْمُخْلِصُوْنَ عَلٰی خَطَرٍ عَظِیْمٍ

اور مخلص لوگ بھی بڑے خطرے میں ہیں۔

اب سوچئے کہ اس اخلاص کے بارے میں ہمیں کتنا فکرمند ہونا چاہیے۔

آج دنیا نے کارخانوں کے اندر کوالٹی کنٹرول ڈیپارٹمنٹ بنائے ہوئے ہیں ۔ مالک کہتا ہے کہ میرا گاہک مجھ سے کوالٹی مانگتا ہے لہٰذا میری ہر چیز کوالٹی کے مطابق ہونی چاہیے۔ اگر کوالٹی کے مطابق نہ ہو تو اسے رد کر دیا جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ہاں عملوں کے لئے کوالٹی کنٹرول ڈیپارٹمنٹ بنا ہوا ہے اور ہر عمل کے خلوص کو چیک کیا جاتا ہے۔ جو عمل اس معیار پر پورا اترتا ہے اسے اللہ تعالیٰ قبول فرما لیتے ہیں اور جو معیار پر پورا نہیں اترتا اس کو اللہ تعالیٰ رد فرما دیتے ہیں۔ جس گاہک نے ایک چیز کے بدلے میں چار ٹکے دینے ہوں وہ تو کوالٹی مانگے اور جس پروردگار نے.....اپنی جنتیں دینی ہوں.....اپنی رضا دینی ہو.....اپنی لقاء دینی ہو..... وہ بندے کے عملوں میں خلوص کو کیوں نہیں مانگے گا۔ اس لئے ہمیں یہ اخلاص اپنے اندر پیدا کرنے کے لئے فکرمند ہونا چاہیے۔ ایک غم لگا ہوا ہو کہ اے اللہ! میرا ہر عمل آپ کی رضا کے لئے ہو اور مخلوق سے میری نگاہیں ہٹ جائیں۔

مخلص کی پہچان:

ایک مرتبہ فقیہہ ابو اللّیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا، حضرت! مخلص کسے کہتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا، کیا تم نے چرواہے کو دیکھا ہے؟ اس نے کہا، جی ہاں۔ فرمایا، جب چرواہا بکریوں کے درمیان نماز کے لئے بیٹھتا ہے تو کیا اس کے دل میں یہ طمع ہوتی ہے کہ بکریاں میری تعریف کریں گی۔ اس نے کہا نہیں، اس کو تو ذرا بھی توقع نہیں ہوتی کہ یہ بکریاں میری تعریف کریں گی۔ حضرتؒ نے فرمایا

،جس طرح چرواہا بکریوں کے درمیان بیٹھ کر نماز پڑھتا ہے اور اس کے دل میں بکریوں سے تعریف کی طمع نہیں ہوتی اسی طرح مخلص بندہ جب لوگوں کے درمیان بیٹھ کر اللہ کی عبادت کرتا ہے تو اسے بھی لوگوں سے کوئی توقع نہیں ہوتی کہ یہ میری تعریفیں کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسا اخلاص عطا فرما دے۔ (آمین)

اللہ کا ڈر اور اللہ کا ڈر:

دو لفظ یاد رکھئے .....ایک اللہ کا ڈر اور ایک اللہ کا ڈر.....ان دو چیزوں کو زندگی بھر نہیں چھوڑنا۔ نہ تو اللہ کے در کو یعنی دروازے کو چھوڑنا ہے اور نہ ہی اللہ کے ڈر کو چھوڑنا ہے۔ کبھی نڈر نہیں ہونا۔ کبھی یہ نہیں سوچنا کہ..... میں نے بڑی تہجّد پڑھ لی..... بڑے ذکر مراقبے کر لئے ..... میں نے لا الٰہ کی بڑی ضربیں لگا لیں۔ کبھی بے خوف نہیں ہونا۔ ساری زندگی دل میں ڈر رہے کہ پتہ نہیں کہ قیامت کے دن میرا کیا بنے گا۔ اگر ساری زندگی یہ دو نعمتیں ساتھ رہیں گی تو سمجھ لینا کہ ہم محفوظ ہو کر اللہ تعالیٰ کے راستے پر قدم اٹھا رہے ہیں۔

ہر عمل کی قیمت ہوتی ہے:

ہر عمل کی قیمت ہوتی ہے۔ اگر دل میں بات ہو کہ لوگ مجھے اچھا کہیں اور لوگوں نے اچھا کہہ دیا تو عمل کی قیمت مل گئی۔ اگر دل میں یہ ہو کہ لوگ میری تعریفیں کریں اور لوگوں نے تعریفیں کر دیں تو عمل کی قیمت مل گئی۔ قیامت کے دن ایک عالم کو پیش کیا جائے گا۔ اس سے پوچھا جائے گا کہ کیا لائے ہو؟ وہ کہے گا، اے اللہ! میں نے بڑی مسجدیں بنائیں، بڑے مدرسے بنائے اور دین کا بڑا کام کیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، ہاں اس لئے کرتے تھے کہ لوگ تجھے بڑا عالم کہیں، فقد قیل، وہ تو کہا جا چکا ہے، اب

ہمارے پاس تیرے لئے کچھ نہیں ہے۔ چنانچہ فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اس بندے کو اوندھے منہ جہنّم کے اندر داخل کر دیا جائے۔ میرے دوستو! اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہم جو یہ سارا کچھ کرتے ہیں کیا کسی بندے کے ایک فقرے کی وجہ سے کر رہے ہوتے ہیں؟ اگر اس لئے کر رہے ہوتے ہیں تو پھر ہماری بربادی میں کوئی شک نہیں۔ اس بندے کو قیامت کے دن کتنی حسرت ہوگی جس کے اتنے بڑے بڑے اعمال پیش ہوں گے مگر کہہ دیا جائے گا کہ اس کو اس کا بدلہ دنیا کے اندر دیا جا چکا ہے۔ لوگوں کی تعریفیں ہوتی ہیں، پتہ نہیں قیامت کے دن کیا بنے گا۔ اگر ہم نے اللہ کی رضا کے لئے یہ اعمال نہ جوڑے تو کل قیامت کے دن ہمارے لئے بڑی مشکل بنے گی۔

من ترا حاجی بگویم تو مرا قاضی بگو

سچی بات عرض کر دوں کہ جب میں اکابر کے اخلاص میں اس معیار کو دیکھتا ہوں تو میرا دل کہتا ہے کہ نہ میں پیر بننے کے قابل ہوں نہ آپ مرید بننے کے قابل ہیں۔ ہماری حالت ان لوگوں کی سی ہے جو سارے رسوا ہو گئے تھے اور وہ ایک دوسرے کو کہنے لگے،

من ترا حاجی بگویم تو مرا قاضی بگو

آپ کو میں سالک کہہ دیتا ہوں اور آپ مجھے پیر کہہ دیتے ہیں، پتہ نہیں اللہ کے ہاں ہمارا کیا بنے گا۔ آج وقت ہے ہم اپنے اللہ سے معافیاں مانگ لیں۔ یا اللہ! اگر ہمارے کسی عمل سے ریاکاری ہوئی ہو تو ہم آپ سے معافی چاہتے ہیں، اے پروردگار! ہم آپ کو راضی کرنے کے لئے سب کچھ کرنا چاہتے ہیں، میرے مولا! قیامت کی مفلسی سے بچا لینا، قیامت کے دن کی غریبی سے بچا لینا اور قیامت کے دن کی حسرت سے بچا لینا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اخلاص کے ساتھ تمام اعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ